سوال وجواب

ایک شبہے کا ازالہ

راولپنڈی سے جناب فیروز الدین صاحب لکھتے ہیں کہ:

مارچ کے "ثقافت" میں مولانا شاہ محمد جعفر صاحب پھلواروی کا ایک مضمون "تعدد ازدواج" کے متعلق شائع ہوا ہے۔ نفس مضمون سے تو ہمیں اتفاق ہے لیکن وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمیٰ الخ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ "جنگ وغیرہ کے بعد یتامیٰ اور ایامیٰ کا مسئلہ ایک حل طلب مسئلہ (پرابلم) بن جاتا ہے اور یہاں اس آیت میں اسی کا حل بتایا گیا ہے"۔ بات تو دل کو لگتی ہے لیکن کسی تفسیر میں یہ نکتہ دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے (جیسا کہ بخاری شریف میں عروہ بن زبیر سے مروی ہے) اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ اس آیت میں اس یتیم کا ذکر ہے جس نے اپنے ولی کی گود میں پرورش پائی ہو اور وہ ولی اس یتیم کے مال اور جمال کی وجہ سے اسے نکاح میں لانا چاہتا ہو۔ مگر اسے پورا مہر دینا چاہتا ہو۔ اسی سے روکنے کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر ان سے نکاح کرنے ہو تو پورا مہر دو، ورنہ دوسری عورتوں سے دو، تین، چار تک نکاح کر لو۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض تفسیریں ہیں لیکن جو صورت فاضل مقالہ نگار نے پیدا کی ہے وہ کہیں نظر سے نہیں گزری۔

ثقافت: ہم شانِ نزول کے تو قائل ہیں لیکن وہیں جہاں اس کی ضرورت ہو اور اس کے بغیر مطلب سمجھ میں نہ آتا ہو۔ قرآن کریم میں ایسے کئی مقامات ہیں جو اپنی تفہیم کے لئے خود اندر کسی پس منظر کا مطالبہ کرتے ہیں مثلاً ... وعلی الثلثة الذین خلفوا (اللہ نے ان تین آدمیوں کی بھی توبہ قبول فرمائی جو پیچھے رہ گئے تھے) یہاں اگر آپ جاننا چاہیں کہ وہ کون سے تین آدمی تھے، کہاں اور کیوں اور کس چیز سے پیچھے رہ گئے تھے؟ ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا تھا؟ وقعات کی کیا تاریخی کڑیاں ہیں! تو آپ کو غزوۂ تبوک کی تفصیلات میں جانا پڑے گا۔ جو آپ کو تفسیروں میں، روایات میں یا اسلامی تاریخ میں ملیں گی پھر یہاں بھی محض لکھی ہوئی تفصیلات پر آنکھ بند کر کے اعتماد کر لینا درست نہ ہوگا۔ صحیح و سقیم کا فرق کر کے ایک نتیجے پر پہنچنا پڑے گا کیونکہ شانِ نزول کی روایات جتنی بھر صحیح ہو سکتی ہیں اس سے بہت سے زیادہ وضعی اور غلط بھی ہیں۔

بہرحال ہم ایک حد تک شانِ نزول کے قائل ہیں لیکن ہر ایک آیت کے لئے شانِ نزول کی تلاش کو ضروری نہیں سمجھتے کہ اس سے یہ مراد ہے اور اس سے یہ مقصود ہے۔ جو بات بغیر کسی شانِ نزول کے سمجھ میں آسکتی ہو اسے خواہ مخواہ کسی شانِ نزول سے وابستہ کر دینا کوئی ضروری چیز نہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم میں "صراط مستقیم" سے مراد ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ کچھ دوسری روائتیں کہتی ہیں کہ اس سے مراد علیؓ و فاطمہؓ اور حسنینؓ ہیں۔ اس قسم کی تفسیروں سے اتنا بھی قرآن سمجھ میں نہیں آتا جتنا اس کے بغیر سمجھ میں آسکتا ہے۔ سیدھی بات ہے کہ صراط مستقیم سے مراد نہ وہ ہیں نہ یہ۔ اس سے مراد بس "صراط مستقیم"

ہی ہے۔ اسی قسم کی پیچیدگیاں متعدد شانِ نزول سے بھی پیدا ہو جاتی ہیں جو ایک ہی آیت کے متعلق ہوں۔

ایک ضروری بات اور بھی پیشِ نظر رکھئے کہ اگر صحیح شانِ نزول معلوم بھی ہو جائے تو اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ آیت اسی واقعے کے ساتھ چپک کر رہ گئی۔ اہلِ اصول کا کہنا ہے کہ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد۔ یعنی اعتبار عموم لفظ کا کیا جائیگا نہ کہ مخصوص شانِ نزول کا۔ اس کی مثال لیجئے: اللہ تعالیٰ روزے کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:
یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا) اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف روزے کے معاملے میں تو آسانی چاہتا ہے اور باقی تمام معاملات میں دشواری چاہتا ہے۔ یہ حکم بہر حال عام ہی رہے گا اگرچہ مخصوص سیاق کلام سے پیوستہ ہے۔ قرآن کریم کے بہت سے احکام کسی واقعے کے ہی سلسلے میں نازل ہوئے ہیں لیکن وہ احکام ان ہی واقعات سے چپکے ہوئے نہیں رہینگے بجز اس کے کہ اس کا کوئی اور محل ممکن نہ ہو۔

حضرت عائشہؓ نے ایک مخصوص شکل کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے وہ شانِ نزول ہی ہو۔ لیکن آیت کو اسی کے ساتھ مقید و مخصوص کر دینا صحیح نہیں۔ اگر اہلِ تفسیر اسے اسی شکل کے ساتھ مخصوص سمجھتے تو دوسری تفسیریں کبھی نہ لکھتے مفسرین نے اس کی چار تفسیریں لکھی ہیں جن کا خلاصہ یوں ہے:

(۱) یہ خطاب (جیسا کہ آپ نے لکھا ہے) ان اولیاء سے ہے جو یتیم لڑکیوں کے مال و جمال کی وجہ سے کم مہر پر نکاح کرنا چاہتے تھے۔ انھیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ تم ان کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے (چار تک) نکاح کر لو مگر ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ بے انصافی نہ کرو۔

(۲) اس خطاب کا مقصد صرف چار کی تحدید ہے۔ کیونکہ زیادہ کرنا اخراجات پورے کرنے کیلئے یتامیٰ کا مال اڑانے کا سبب بنتا ہے۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم یتامیٰ کے حق میں ناانصافی سے ڈرتے ہو تو عورتوں کے حق میں ناانصافی کرنے سے بھی ڈرو اور چار سے زیادہ نکاح نہ کرو بلکہ بصورت عدم عدل ایک ہی پر قناعت کرو۔

(۴) اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ ناانصافی کے خوف سے اولیائے یتامیٰ ہونے سے ڈرتے ہیں وہ عورتوں کے بارے میں ایک بڑی ناانصافی یعنی زنا سے بھی ڈرتے رہیں یعنی اگر خوفِ زنا ہو تو چار تک شادیاں کر لینا زنا سے بہتر ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا! یہ چاروں تفسیریں اہلِ تفسیر نے لکھی ہیں۔ آپ کسی ایک کو قبول کریں تو باقی تین کو ترک کرنا پڑتا ہے اگر چاروں کو صحیح مانیں تو کوئی پانچویں قسم پیدا ہونے کے امکان کو خارج از عقل نہیں سمجھنا چاہیئے۔

آپ پہلی تفسیر کو پیش فرماتے ہیں۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ یہ بھی ایک شکل ہو سکتی ہے اور ممکن ہے حضورؐ کے عہد میں یہی شکل پیدا ہوئی ہو لیکن الفاظِ قرآنی کے عموم کو جہاں تک باقی رکھا جا سکے اتنا ہی بہتر ہے تاکہ بنوائے العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد۔ اس کی وسعت و ہمہ گیری باقی رہے۔ ہم نے اس عموم کو کیوں ترجیح دی ہے اس کی وجہ بھی سنئے (موخر الذکر تین تفسیروں کے متعلق اس وقت کچھ کہنا مقصود نہیں) اول الذکر تفسیر کے مطابق کسی خاص صورتِ حال کے ساتھ اسے مخصوص کر دینے سے العبرة لعموم اللفظ الخ کا اصول باقی نہیں رہتا بوجوہ ذیل:

(۱) مخاطب عام افراد امت نہیں رہتے بلکہ اس کے مخاطب صرف اولیائے یتامیٰ رہ جاتے ہیں۔

(۲) یتامیٰ میں بھی صرف یتیم لڑکیاں ہی مراد لینی پڑتی ہے اور یتیم لڑکوں کا مسئلہ لاینحل باقی رہ جاتا ہے۔

(۳) یتیم لڑکیوں میں بھی صرف ان ہی لڑکیوں کی تخصیص ہوتی ہے جو صاحب مال اور صاحب جمال ہوں اور جو ایسی نہ ہوں وہ اس حکم سے خارج ہو جاتی ہیں۔ نیز وہ لڑکیاں بھی اس سے مستثنیٰ ہو جاتی ہیں جو کمسن ہونے کی وجہ سے مستور الجمال ہیں۔ جوان ہونے کے بعد ہی جمال کا اندازہ زیادہ ہوتا ہے مگر اس وقت یتیمی نہیں باقی رہتی کیونکہ لا یتم بعد الحلم بلوغ کے بعد یتیمی نہیں رہتی (حدیث)

(۴) پھر ان صاحب جمال و صاحب مال لڑکیوں کے بھی تمام مسائل حل نہیں ہوتے۔ صرف "مہر" کا مسئلہ حل ہوتا ہے حالانکہ ان کے حقوق میں صرف مہر ہی نہیں۔ اس سے زیادہ ضروری چیزیں بھی ہیں۔

(۵) یہ تمام صورتِ حال بڑی حد تک انفرادی ہوتی ہے کیونکہ ایسے یتامیٰ کا وجود کسی جنگ کے بغیر بھی ہر دور میں رہتا ہے پس اگر یہ مسئلہ قومی بن جائے تو اس کے لئے کوئی الگ حکم قرآن پاک میں دکھانا چاہیئے کیونکہ انفرادی حالات پر قومی و ملی حالات کو بہرحال ترجیح ہے۔ غرض یہ تخصیص در تخصیص کر کے حکم کی وسعت و ہمہ گیری کو سکیڑنے کی بجائے عام رکھا جائے تو یہ تخصیصات خود اس کے اندر آ جائیں گی۔ بخلاف اس کے اگر اسے محدود کر دیا جائے تو عمومی احکام اس کے ذیل میں نہیں آ سکتے۔ تلاشِ مورد کی ضرورت وہاں ہے جہاں اس کے بغیر حکم سمجھ میں نہ آ سکتا ہو۔ اور آیت کا مضمون ہی تلاشِ مورد کا تقاضا کرتا ہو۔

اہلِ تفسیر کی محنت شاقہ بلاشبہ بڑی قابلِ قدر خدمت ہے اور فہم قرآن میں اس سے بڑی مدد بھی ملتی ہے لیکن قرآن پاک کی لامحدود وسعتوں کو ان ہی میں بند سمجھنا ہمارے نزدیک درست نہیں۔ ہر دور میں اس کے نئے نئے معانی کا انکشاف ہوتا رہیگا لیکن قرآن پاک ان میں بھی بند ہو کر نہیں رہے گا آگے اور معانی بھی کھلتے رہیں گے۔ ہم نے اپنی ناقص سمجھ کے مطابق جو کچھ بھی سمجھا ہے اسے بھی ہم ابدی اور آخری نہیں سمجھتے۔ اس سے اور زیادہ بہتر تفسیر جو بھی پیش کرے گا اس کے متعلق ہمارا طرزِ عمل اُنا اول المسلمین جیسا ہوگا۔

اس آیت کی ایک تفسیر اور بھی ہو سکتی ہے جو ہم نے نظر انداز کر دی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یتامیٰ کے معنی عربی لغات میں زنانِ بے شوہر کے بھی ہیں یعنی اگر تمہیں بے شوہر والی عورتوں کے متعلق معاشی یا اخلاقی خطرات لاحق ہوں تو ان ہی عورتوں میں سے ایک سے چار تک (بشرطِ عدل) نکاح کر لو۔ یتامیٰ کا مسئلہ بھی اسی سے حل ہو جاتا ہے۔

نیز امام شافعی اور کسائی کے نزدیک ان لا تعولوا کا مطلب یہ ہے کہ . . . تاکہ تم کثرتِ عیال کے جھگڑوں میں نہ پڑو۔ بعض مفسرین الا تعولوا کا مطلب یہ بھی لکھتے ہیں کہ . . . تاکہ تم محتاجی کے شکار نہ ہو یعنی کثرتِ اولاد اور محتاجی سے بچنے کیلئے بھی بہتر ہے کہ ایک ہی بیوی پر قناعت کرو۔ (فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعولوا ۰)

تفسیروں کی یہ سب شکلیں فہم قرآن کی قابلِ قدر کوششیں ہیں۔ اسی قسم کی ایک کوشش ہماری بھی ہے۔ آپ کو صرف یہ دیکھنا